



حرف آغاز

مکالمہ بین المذاہب

سید جلال الدین عمری

آج کل 'مذاہب کے درمیان مکالمہ' (Dialogue) کا خاص چرچا ہے۔ اس کا مقصد یہ بیان کیا جاتا ہے کہ مذاہب کے درمیان قربت بڑھے، غلط فہمیوں کا ازالہ ہو، ان کے درمیان جو اختلافات ہیں وہ دور ہوں اور وہ ایک دوسرے سے قریب آئیں۔ اس سلسلے میں مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان تبادلہ خیال ہو رہا ہے، مذاکرے اور سمینار ہو رہے ہیں اور بھی مختلف سطحوں سے کوشش ہو رہی ہے۔ اس تگ و دو کے پیچھے جو ذہن کا رفرما ہے وہ یہ ہے کہ مذاہب کے درمیان اختلافات حقیقی نہیں ہیں، سب کی اصل ایک ہے، سب روح کی تسکین اور اپنے خالق و معبود کی رضا چاہتے ہیں، انسانوں کی بھلائی اور خیر خواہی ان میں سے ہر ایک کے پیش نظر ہے، ظلم و زیادتی اور جبر و تشدد کو سب ہی غلط باور کرتے ہیں اور ہر ایک کے ساتھ عدل و انصاف کا رویہ اختیار کرنا چاہتے ہیں، ان کے درمیان بنائے اختلاف کم ہے اور اتحاد کی بنیادیں زیادہ ہیں۔ یہ بات جب بڑھتی ہے تو وحدتِ ادیان کے تصور تک پہنچتی ہے کہ منزل سب کی ایک ہے، البتہ راہیں جدا ہیں، اسی کی تبلیغ و اشاعت کے لیے یہ کوششیں ہو رہی ہیں۔ یہ ایک مہمل اور بے بنیاد تصور ہے۔ جو لوگ وحدتِ ادیان کی بات کرتے ہیں وہ ان کی بنیادی تعلیمات سے صرف نظر کر رہے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ مذاہب کے درمیان اختلافات ہیں اور بنیادی اختلافات ہیں، اس لیے ان کو ایک زمرے میں نہیں رکھا جاسکتا۔ یہ فرق اسلام اور دوسرے مذاہب کے مطالعہ سے سمجھا جاسکتا ہے۔

اس معاملہ میں اسلام کا موقف یہ ہے کہ وہی ہمیشہ اللہ کا دین رہا ہے، اسی کی تعلیم ہر دور میں ہر پیغمبر نے دی، لیکن ان کی تعلیم اصل شکل میں باقی نہیں رہی، زمانہ گزرنے کے ساتھ ان میں تحریف ہوتی چلی گئی۔ اللہ کا یہی دین محمد ﷺ پر آخری بار نازل ہوا۔ آپ سلسلہ رسالت کی آخری کڑی ہیں، آپ پر جو کتاب نازل ہوئی وہ قرآن مجید ہے اور وہ پوری طرح محفوظ ہے۔ آپ کی سیرت اور قول و عمل سے اس کی تشریح ہوتی ہے، اب دنیا و آخرت کی فوز و فلاح اسی کتاب سے وابستہ ہے، اس کا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ یہ باتیں قرآن مجید میں بڑی وضاحت کے ساتھ کہی گئی ہیں۔ ارشاد ہے:

قُلْ يَٰٓأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ
(اے پیغمبر) کہہ دو اے لوگو! بے شک میں تم
جَمِيعًا (الاعراف: ۱۵۸)
سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

ایک اور جگہ فرمایا:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا
وَنَذِيرًا وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا
يَعْلَمُونَ (سبا: ۲۸)
ہم نے تو آپ کو تمام لوگوں کے لیے بشیر
و نذیر بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ جانتے
نہیں ہیں۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری رسول اور خاتم النبیین ہونے کا اعلان ان الفاظ

میں کیا گیا:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ
وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ
وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا
محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی
کے باپ نہیں ہیں، لیکن اللہ کے رسول ہیں
اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ ہر چیز کا جاننے
والا ہے۔ (الاحزاب: ۴۰)

دنیا کے تمام انسانوں کو آپ پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی اور کہا گیا
کہ اسی میں 'خیر' ہے۔ کفر کا راستہ اختیار کر کے انسان اللہ کو نقصان نہیں پہنچا سکتا،
خود ہی نقصان میں رہے گا:

مکالمہ بین المذاہب

اے لوگو! تمہارے پاس رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے رب کی طرف سے حق لے کر آ گیا ہے۔ پس تم (اس پر) ایمان لے آؤ، اسی میں تمہارے لیے خیر ہے لیکن اگر کفر کرو گے تو (یاد رکھو) کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ الرَّسُولُ
بِالْحَقِّ مِنْ رَبِّكُمْ فَأَمِنُوا خَيْرًا لَكُمْ
وَإِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا
(النساء: ۱۷۰)

مذہب کے اساسی عقائد کا انسان کی پوری زندگی پر اثر پڑتا ہے۔ اس سے پورا نظام عمل اور طریقہ حیات وجود میں آتا ہے۔ ہر مذہب کی عبادات اس کے عقیدے کی تابع ہوتی ہیں۔ عقیدے کی بنیاد پر تہذیب و معاشرت وجود میں آتی ہے۔ اسی کے تحت شادی بیاہ، پیدائش اور موت تک کے رسوم انجام پاتے ہیں۔ کاروبار اور لین دین کے طریقے اور مختلف افراد اور طبقات کے حقوق و فرائض طے ہوتے ہیں۔ اسی طرح مذہب عقیدہ کے ساتھ اس سے ہم آہنگ اخلاقیات اور قانون بھی رکھتا ہے۔ اسے اس کا نظام شریعت کہا جاسکتا ہے۔ اسی سے اس کی انفرادیت قائم ہوتی ہے اور وہ پہچانا جاتا ہے۔

قرآن مجید کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو اصول دین کے ساتھ حسب حال اور حسب ضرورت شریعت اور قانون بھی دیا تھا۔ اس نے مختلف مواقع پر توریت اور انجیل کے بعض قوانین کا ذکر بھی کیا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیے گئے تھے اور جن کی پابندی کا ان سے عہد لیا گیا تھا۔ اس نے بعض دوسرے پیغمبروں کی شریعتوں کا بھی حوالہ دیا ہے۔ یہ شریعتیں اپنے وقت اور ماحول کے لیے تھیں۔ آخری رسول اور آخری شریعت کے آنے کے بعد وہ منسوخ ہو گئیں۔ مذاہب کے ماننے والوں کو وہ نجی زندگی میں اپنی شریعت پر عمل کی اجازت دیتا ہے، لیکن اپنے دائرہ اختیار میں آخری شریعت کو نافذ کرتا ہے:

ہم نے آپ کو دین کے معاملہ میں ایک شریعت دے دی۔ اب آپ اس کی اتباع کریں اور ان لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ چلیں جو جاننے نہیں ہیں۔

ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَى شَرِيعَةٍ مِنَ الْأَمْرِ
فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا
يَعْلَمُونَ ۝ (الجبائے: ۱۸)

جدالِ احسن

مذکرہ یا مباحثہ دو مقاصد کے تحت ہوتا ہے۔ ایک مقصد ہے حق و صداقت کی تلاش، بحث و تمحیص کے ذریعہ 'حق' کو جاننے کی کوشش۔ دوسرا مقصد یہ ہے کہ نظریات اور عقائد کی صحت و عدم صحت سے بحث نہ کی جائے، بلکہ یہ دیکھا جائے کہ وہ کون سی مشترک اقدار ہیں جن پر سب کو اتفاق ہو سکتا ہے۔

اسلام اس مجادلہ کا قائل نہیں ہے۔ وہ ایک دعوت ہے اور بحث و مباحثہ کے ذریعہ اس کی حقانیت واضح کرنا چاہتا ہے۔

قرآن مجید کا براہ راست خطاب مشرکین عرب اور اہل کتاب سے تھا۔ سورہ نحل میں مشرکین عرب کے سیاق میں حکم دیا گیا:

أَدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ
وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي
هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ
ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ
بِالْمُهْتَدِينَ ۝ (النحل: ۱۲۵)

آپ اپنے رب کے راستے کی طرف
حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعہ بلائیے
اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بحث
کیجیے۔ آپ کا رب خوب جانتا ہے کہ کون
اس کے راستے سے بھٹک گیا ہے اور وہ
ہدایت پانے والوں کو اچھی طرح جانتا ہے۔

اس آیت میں صاف الفاظ میں اللہ کے راستے کی طرف بلانے، یا یوں کہا جاسکتا ہے کہ اسلام کی دعوت کا حکم ہے۔ اس کے لیے حکمت اور موعظہ حسنہ کے ساتھ جدال احسن کا طریقہ تجویز کیا گیا ہے۔ 'حکمت' یہ ہے کہ عقلی دلائل کے ذریعہ اللہ کے دین کی دعوت دی جائے۔ موعظہ حسنہ میں تذکیر اور وعظ و نصیحت کا پہلو ہے۔ 'جدال بہ طریق احسن' یہ ہے کہ بہتر طریقہ سے گفتگو ہو، شکوک و شبہات رفع کیے جائیں اور اس کے موقف کو بہتر طریقہ سے سمجھا جائے۔

مشرکین عرب سے اسلام کا اختلاف بنیادی عقائد میں تھا۔ اسلام تو حید کا علم بردار

۱۔ راقم نے اس پر بعض دوسرے مضامین میں کسی قدر تفصیل سے بحث کی ہے، اس لیے یہاں اس کی ضرورت نہیں محسوس ہوئی۔

مکالمہ بین المذہب

ہے۔ کائنات اور انسان کے بارے میں اس کا نقطہ نظر اسی عقیدہ توحید سے نکلتا ہے۔ مشرکین عرب کے ہاں خدا کا تصور تھا، لیکن وہ آلودہ شرک تھا۔ وہ اسلام کے تصور توحید کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ اسلام وحی و رسالت کا قائل ہے، مشرکین کے لیے یہ تصور اجنبی سا ہو کر رہ گیا تھا، وہ حضرت محمد ﷺ کی رسالت کو ماننے کے لیے آمادہ نہ تھے۔ اسلام کا ایک بنیادی عقیدہ آخرت اور جزائے عمل کا ہے، لیکن وہ حیات بعد الموت کو کسی طرح قبول نہیں کر رہے تھے اور خدا کے قانونِ عدل کے مقابلہ میں انھیں اپنے معبودانِ باطل کی سفارش پر تکیہ تھا۔

اس ماحول میں اسلام نے شرک کی ہر پہلو سے تردید کی اور ثابت کیا کہ اس کی کوئی مضبوط بنیاد نہیں ہے۔ یہ انسان کی عقل اور اس کی نفسیات کے خلاف ہے۔ اس کے نتائج دنیا میں بھی تباہ کن ہیں اور آخرت میں بھی ہلاکت کا باعث ہوں گے۔

مشرکین عرب سے اس نے جس طرح گفتگو کی اس کی ایک چھوٹی سی مثال

یہاں پیش کی جا رہی ہے:

صَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَجُلًا فِيهِ شُرَكَاءُ
مُتَشَاكِسُونَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ هَلْ
يَسْتَوِينَ مَثَلًا الْحَمْدُ لِلَّهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ
لَا يَعْلَمُونَ ۝ (الزمر: ۲۹)

اللہ نے ایک مثال دی۔ ایک شخص (غلام) جس میں کئی شریک ہیں جو باہم دگر ضدی اور ایک دوسرے کے خلاف ہیں۔ دوسرا شخص ایک ہی آدمی کا غلام ہے۔ کیا ان دونوں کی حالت ایک ہو سکتی ہے؟ الحمد للہ، لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔

قرآن مجید نے اپنے موقف پر تاریخ سے استدلال کیا۔ اس نے کہا: دنیا میں اللہ تعالیٰ کے جتنے رسول آئے سب نے توحید کی تعلیم دی اور شرک کی تردید کی، رسالت اور آخرت پر ایمان کی دعوت دی، اس کے انکار کے نتائج سے آگاہ کیا۔ مشرک قوموں نے ان کی سخت مخالفت کی اور ان کے ساتھ بدترین سلوک کیا، لیکن انھوں نے صبر و ثبات کے ساتھ اسے برداشت کیا۔ اللہ کے ان رسولوں کی اس سلسلے میں اپنی قوموں اور ان کے

سرداروں سے جو گفتگوئیں ہوئیں اور جو مباحثے اور مکالمے ہوئے وہ بھی اس نے تفصیل سے پیش کیے۔ یہ مباحثے 'جدال احسن' کا بہترین نمونہ ہیں۔ یہ تلاش حقیقت کے لیے نہیں، بلکہ اثبات حق کے لیے تھے۔

مشرکین عرب کا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نسلی تعلق تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد اور خانہ کعبہ کے محافظ ہونے کی وجہ سے سارے عرب میں ان کو عزت اور وقار حاصل تھا۔ قرآن مجید نے بتایا کہ حضرت ابراہیمؑ توحید کے علم بردار تھے، اسی کی دعوت لے کر وہ اٹھے تھے، ان کی مشرک قوم نے ان کی بدترین مخالفت کی اور دہکتی آگ میں انھیں ڈال دیا، لیکن اللہ نے انھیں صحیح سالم نکال لیا۔ انھوں نے اپنے وطن سے ہجرت کی اور مکہ میں خانہ کعبہ کی تعمیر کی، اسے اللہ واحد کی عبادت کا مرکز قرار دیا، جسے تم نے بت خانہ بنا رکھا ہے۔ تم ان کی اولاد ہو، پھر بھی دعوت توحید کی مخالفت کر رہے ہو۔ حضرت ابراہیمؑ نے وقت کے بادشاہ، اپنے باپ اور اپنی قوم سے جو گفتگو یا مباحثے کیے، قرآن مجید نے اسے بڑی وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اس طرح اس 'جدال احسن' کی راہ دکھائی ہے جس کی اس نے اجازت دی ہے۔

قرآن مجید نے اہل کتاب سے بھی 'مجادلہ' کی اجازت دی ہے۔ اس کے لیے بھی وہی شرط رکھی ہے جو مشرکین سے 'مجادلہ' کے لیے ہے کہ یہ 'مجادلہ' بطریق احسن ہونا چاہیے:

وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ وَقُولُوا آمَنَّا بِالَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَأَنْزَلَ إِلَيْكُمُ وَإِلَهُنَا وَإِلَهُكُمْ وَاحِدٌ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ (العنکبوت: ۴۶)

تم اہل کتاب سے 'مجادلہ' نہ کرو، مگر مہذب طریقہ سے، لیکن ان میں سے جو ظلم کی راہ اختیار کریں ان سے بحث سے اجتناب کرو اور کہو کہ ہم ایمان رکھتے ہیں ان (تعلیمات) پر جو ہم پر نازل ہوئی ہیں اور ان پر بھی جو تم پر نازل ہوئیں۔ ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہے،

ہم اسی کے فرماں بردار ہیں۔

اہل کتاب اصولی طور پر توحید، وحی و رسالت، آخرت اور وہاں کی جزا و سزا کے

مکالمہ بین المذاہب

۱۱

قائل تھے۔ اس سلسلے میں ان کے اور مسلمانوں کے عقائد میں اشتراک تھا، لیکن ایک دوسرے پہلو سے ان کے درمیان فرق پایا جاتا تھا۔ وہ توحید کے قائل ہونے کے باوجود گرفتار شرک ہو گئے تھے، وحی و رسالت پر ایمان کے دعویٰ کے باوجود رسول اللہ ﷺ کی رسالت کو تسلیم نہیں کر رہے تھے۔

اس آیت میں اہل کتاب سے مجادلہ کی اجازت کے ساتھ اس کی بنیادیں بھی فراہم کر دی گئی ہیں۔ وہ بنیادیں ہیں اللہ کے تمام رسولوں اور ان کی تعلیمات پر ایمان۔ اس میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آپ کی تعلیمات بھی شامل ہیں۔ مسلمانوں کا یہی موقف ہے کہ وہ تمام رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں، ان کے درمیان فرق نہیں کرتے۔ اسی طرح تمھارا اور ہمارا خدا ایک ہی ہے، اس لیے اس کے احکام کی اطاعت ہم سب کے لیے لازم ہے۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہم اس کے مطیع فرمان ہیں۔ اس کے ہر حکم کو دل و جان سے قبول کرتے اور اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ اس میں اس بات کی ہدایت بھی ہے کہ اگر وہ اس کے لیے آمادہ نہیں ہیں تو تم اپنے ایمان و اسلام کا اعلان کر کے الگ ہو جاؤ۔

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر میثاق بنی اسرائیل کا ذکر ہے اور بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے عہد لیا تھا کہ وہ اللہ واحد کی عبادت کریں گے، ان کی زندگیوں میں نماز اور زکوٰۃ کا اہتمام ہوگا، اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کریں گے، والدین، رشتہ داروں اور سماج کے کم زور افراد، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک کریں گے (اعلیٰ اخلاق کا ثبوت دیں گے) گفتگو میں بدزبانی اور تلخ کلامی کا مظاہرہ نہ کریں گے (کسی کی دل آزاری نہ کریں گے) ناحق کسی کا خون نہیں بہائیں گے، کسی کو اس کے گھر سے بے گھر نہیں کریں گے، اللہ کے رسولوں پر ایمان لائیں گے اور ان کی نصرت و حمایت کریں گے۔ (البقرہ: ۸۳-۸۴، المائدہ: ۱۲)

قرآن مجید نے بتایا کہ بنی اسرائیل نے اس عہد و پیمان کی پابندی نہیں کی۔ قدم قدم پر اس کی مخالفت کرتے رہے۔ اس عہد کا لازمی تقاضا تھا کہ وہ اللہ کے رسولوں پر

ایمان لاتے، مگر انھوں نے ان میں سے چند ایک کو مانا اور دوسروں کو ماننے سے انکار کر دیا۔ ان کے ہاتھ بعض رسولوں کے قتل تک سے رنکین رہے ہیں۔ (آل عمران: ۱۸۱-۱۸۴، النساء: ۱۵۷) ان سے آخری رسول حضرت محمد ﷺ پر ایمان لانے اور ان کی نصرت و حمایت کا بھی عہد لیا گیا تھا، لیکن انھوں نے صاف کہہ دیا کہ ہم اپنے پیغمبروں کے علاوہ کسی دوسرے پیغمبر کو نہیں مانیں گے۔ یہی نہیں، آپ سے عداوت ان کے سینوں میں پرورش پاتی رہی اور انھوں نے آپ کی مخالفت میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ (البقرة: ۹۱-۹۲، آل عمران: ۸۱) یہود و نصاریٰ حضرت ابراہیمؑ کو اپنا پیشوا اور مقتدیٰ مانتے اور ان سے اپنا دینی رشتہ جوڑتے تھے۔ قرآن مجید نے بہت تفصیل سے حضرت ابراہیمؑ کی تعلیم پیش کی اور بتایا کہ وہ 'مسلم حنیف' تھے اور ہر طرف سے کٹ کر اللہ واحد کی عبادت کرتے تھے، ان کی زندگی ہر شاہیہ شرک سے پاک تھی، وہ خدائے واحد کی عبادت و اطاعت کا پیغام لے کر اٹھے تھے اور زندگی بھر اسی کے لیے جدوجہد کی اور بے مثال قربانیاں دیں۔ آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسی دعوت کو لے کر اٹھے ہیں، اس لیے وہ ان کے قریب ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ سے تمھارا تعلق روایتی اور ان کا تعلق حقیقی ہے:

مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا
وَلَكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ
مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ
بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَذَا النَّبِيُّ
وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ ۝
(آل عمران: ۶۷-۶۸)

ابراہیم یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے، بلکہ سب مذاہب سے کنارہ کش اور اللہ کے مطیع فرمان تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔ لوگوں میں ابراہیم سے زیادہ قریب وہ تھے جنھوں نے ان کی اتباع کی اور اب یہ نبی اور ایمان والے ہیں۔ اللہ اہل ایمان کا ولی و کاساز ہے۔

اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ جو لوگ آسمانی مذاہب کے ماننے والے ہیں انھیں ان کی حقیقی تعلیمات سے روشناس کرایا جائے اور ان کے تقاضوں کی طرف انھیں توجہ دلائی جائے اور دین حق ان پر واضح کیا ہے۔ یہ قرآنی طریقہ ہے۔ اس سے

مکالمہ بین المذاہب

دعوت کی راہیں کھلتی ہیں۔ اسی پس منظر میں حسب ذیل آیت کو بھی دیکھنا چاہیے:

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ
سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ
وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا
بَعْضًا أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ فَإِن تَوَلَّوْا
فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ۝

کہئے! اے اہل کتاب! آؤ ایک کلمہ سوا
کی طرف (وہ کلمہ جو ہمارے اور تمہارے
درمیان مشترک ہے) کہ ہم اللہ کے سوا
کسی کی عبادت نہ کریں گے اور ہم میں
سے کوئی بھی اللہ کو چھوڑ کر کسی کو رب نہ
بنائے گا۔ اگر وہ (اسے قبول نہ کریں) اور
(آل عمران: ۶۴)

اس کے حکم کو ماننے والے ہیں۔

اس آیت کو اس بات کی دلیل سمجھا جاتا ہے کہ مذاہب کے درمیان جو اقدار
مشترک ہیں ان کی دعوت دی جائے۔ بنائے اختلاف سے تعرض نہ کیا جائے، ہر ایک کو
اس کے طریقہ پر عمل کی اجازت ہو، اس کے درست یا نادرست ہونے سے بحث نہ کی
جائے۔ اسے مذاہب کے سلسلے میں رواداری یا عدم تعصب جو بھی کہا جائے، اسلامی نقطہ نظر
نہیں کہا جاسکتا۔ یہ اس سلسلے کی اسلامی تعلیمات اور اس کے دعوتی مشن کے خلاف ہے۔
اس سے قطع نظر خود آیت سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ اس میں اہل کتاب کے غلط طرز عمل
پر تنقید کی گئی ہے اور انھیں اسلام کی دعوت دی گئی ہے۔

اس میں اہل کتاب کو کلمہ سوا کی دعوت دی گئی ہے۔ یہ کلمہ سوا تو حید ہے،
جو اہل کتاب اور مسلمانوں کے درمیان مشترک ہے اور جو تمام مذہبی کتابوں کی بنیاد ہے۔
لیکن تو حید کے قائل ہوتے ہوئے بھی یہود نے حضرت عزیر کو ابن الہ قرار دیا۔ ہو سکتا ہے
ان میں سے ایک طبقہ کا یہ عقیدہ ہو، لیکن یہود نے اس سے اپنی برأت ظاہر نہیں کی۔ اسی
طرح نصاریٰ نے تثلیث کی راہ اختیار کی، جو تو حید کے سراسر خلاف ہے۔

توحید کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ خدائے واحد کی عبادت ہو اور کسی دوسرے کو
خدائی کا مقام نہ دیا جائے، جب تمہیں اس سے انکار نہیں ہے تو تمہاری عبادت شرک

سے پاک ہونی چاہیے۔

اللہ واحد پر ایمان کے بعد اس کا کوئی جواز نہیں ہے کہ کسی دوسرے کو اپنا رب اور فرماں روا تسلیم کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ قانون دینے والا ہے اور اسی کے قانون کو بالادستی حاصل ہے، لیکن تم نے اپنے احبار و رہبان کو قانون سازی کا حق دے رکھا ہے۔ وہ جس چیز کو حلال کہیں وہ تمہارے نزدیک حلال ہے اور جسے حرام قرار دیں وہ تمہارے لیے حرام ہے۔ اس طرح تم نے احبار و رہبان کو ارباب کا مقام دے رکھا ہے۔ (التوبہ: ۳۱) اپنے اس غلط رویہ کو ترک کر کے تمہیں خدائے واحد کے احکام کی اتباع کرنی چاہیے۔ اگر تم اس کے لیے تیار نہیں ہو تو گواہ رہو کہ ہم اللہ کے فرماں بردار اور اس کے احکام کے تابع ہیں۔ یہ درحقیقت اسلام کی دعوت ہے۔ ہرقل (شاہ روم) کو آپ نے جو مکتوب اسلام کی دعوت قبول کرنے کے لیے لکھا تھا اس میں اس آیت کا حوالہ تھا۔ (قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ج ۲، جزء ۴، ص ۶۸)

حقیقت یہ ہے کہ مذاہب کے اختلافات فروعی نہیں اصولی ہیں، انہیں ختم نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے لیے کوئی بھی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی، لیکن اس کے باوجود بعض سماجی اور اجتماعی مسائل کے حل کے لیے اہل مذاہب ہی نہیں، بلکہ تمام سماجی اور سیاسی گروہ مل جل کر کوشش کر سکتے ہیں۔

آج دنیا کے بیش تر ممالک میں مخلوط آبادیاں ہیں۔ ان کے درمیان مذہبی عقائد، مادی افکار و نظریات، تہذیب و معاشرت کا اختلاف ہے اور کہیں مادری زبان کا فرق بھی پایا جاتا ہے۔ اس کے باوجود وہ ایک تکثیری سماج کا حصہ ہیں۔ اس پہلو سے ان کے مشترک مسائل بھی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی ضرورت ہے کہ ملک میں امن و امان ہو، فکر و عمل کی آزادی ہو، ملک کی فلاح و بہبود اور ترقی کے لیے کام کے مواقع حاصل ہوں، انسانی حقوق کی پامالی نہ ہو، عدل و انصاف کے تقاضے پورے کیے جائیں، سب کے ساتھ مساوی سلوک کیا جائے، غربت اور جہالت ختم ہو، طبی سہولتیں حاصل ہوں، صفائی ستھرائی کا اہتمام ہو اور فضائی آلودگی پر قابو پایا جائے۔ اس نوعیت کے اور بھی

مکالمہ بین المذاہب

مسائل ہو سکتے ہیں۔ اس طرح کے مسائل پر قابو پانے کے لیے معاشرے میں بیداری لانے، ان کے حق میں فضا بنانے اور بسا اوقات قانونی جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح ان مسائل کا تعلق حکومت سے بھی ہے، اس کے لیے اسے متوجہ کرنا اور اس پر اثر انداز ہونا پڑتا ہے، اس کے لیے تکثیری معاشرے مشترکہ جدوجہد کا تقاضا کرتے ہیں۔ اسی سے بہتر نتائج کی توقع کی جاسکتی ہے۔

اسی طرح موجودہ مادہ پرست تہذیب نے اباحت کو اس قدر فروغ دیا ہے کہ انسان اپنی جنسی خواہش کی تکمیل کے لیے کوئی بھی بندش گوارا نہیں کرنا چاہتا، ہر طرف بے حیائی اور عریانی کی فضا ہے، زنا اور بدکاری عام ہو رہی ہے، نشہ آور چیزوں کا استعمال بڑھ رہا ہے۔ اس کے نتیجے میں خاندان انتشار اور تباہی کا شکار ہو رہے ہیں اور طرح طرح کے امراض پھیل رہے ہیں۔ دنیا کا کوئی بھی مذہب زنا، بدکاری، بے حیائی اور منشیات کے استعمال کو صحیح نہیں سمجھتا۔ اس کے خاتمہ کے لیے مشترک کوشش ہونی چاہیے۔

مذاہب کے درمیان ایک قدر مشترک اخلاقیات ہے۔ صداقت اور راست گوئی، عفت و عصمت، دیانت و امانت، باہم الفت و محبت، رشتوں کا احترام، غریبوں، ناداروں، مریضوں اور معذروں کے ساتھ ہم دردی اور ان کی خبر گیری، تعصب اور نفرت سے اجتناب، کسی کے حق پر دست درازی اور ظلم و زیادتی کا خاتمہ، اس طرح کی اخلاقیات کی اہمیت تمام مذاہب تسلیم کرتے ہیں اور ان کے مخالف رویہ کو صحیح نہیں سمجھتے۔ اس کے لیے کہیں کہیں کوشش بھی ہوتی ہے۔ اسلام سماج میں اخلاق کو فروغ دینا چاہتا ہے، اس کے لیے اس کا اپنا ایک طریقہ اور لائحہ عمل بھی ہے، لیکن اس کے ساتھ اخلاق کو عام کرنے کی جو کوشش ہو اس میں وہ اپنے اصول کے تحت شریک ہو سکتا ہے اور اس کے لیے مشترکہ جدوجہد بھی کر سکتا ہے۔



ادارہ تحقیق و تصنیفِ اسلامی کی چند اہم اردو مطبوعات

کتاب	مصنف	صفحات	قیمت
۱ معرکہ اسلام و جاہلیت	مولانا صدر الدین اصلاحی	۲۱۶	
۲ غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق	مولانا سید جلال الدین عمری	۳۳۲	۱۴۰
۳ صحت و مرض اور اسلامی تعلیمات	مولانا سید جلال الدین عمری	۳۸۸	۲۰۰
۴ مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ	مولانا سید جلال الدین عمری	۲۴۰	۸۰
۵ اسلام میں خدمتِ خلق کا تصور	مولانا سید جلال الدین عمری	۱۷۶	۴۰
۶ اسلام اور مشکلاتِ حیات	مولانا سید جلال الدین عمری	۸۸	۸
۷ مذہب کا اسلامی تصور	مولانا سلطان احمد اصلاحی	۵۹۱	۱۰۰
۸ مشترکہ خاندانی نظام اور اسلام	مولانا سلطان احمد اصلاحی	۱۰۲	۲۰
۹ وحدتِ ادیان کا نظریہ اور اسلام	مولانا سلطان احمد اصلاحی	۱۹۲	۴۰
۱۰ آزادیِ فکر و نظر اور اسلام	مولانا سلطان احمد اصلاحی	۱۲۸	۴۰
۱۱ قرآن، اہل کتاب اور مسلمان	ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی	۲۹۶	۷۰
۱۲ حضرت ابراہیم علیہ السلام	ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی	۲۰۰	۴۰
۱۳ ایمان و عمل کا قرآنی تصور	پروفیسر الطاف احمد اعظمی	۲۸۰	۲۵
۱۴ عہدِ نبوی کے غزوات و سرایا	ڈاکٹر رؤفہ اقبال	۲۴۷	۲۵
۱۵ عہدِ نبوی کا نظامِ حکومت	پروفیسر محمد یسین مظہر صدیقی	۱۳۶	۳۰
۱۶ شیرِ بازار میں سرمایہ کاری	ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی	۱۵۶	۴۵
۱۷ تصوف - ایک تجزیاتی مطالعہ	پروفیسر عبید اللہ فراہی	۲۰۰	۲۵

ملنے کے پتے

ادارہ تحقیق و تصنیفِ اسلامی، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳، علی گڑھ-۱

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، دعوتِ نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی-۲۵